افسانہ

مکر

ذبیح اللہ ذبیح

شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

9599207050

zabeeh030@gmail.com

مغفرت، مصلحت، مشابہت، اذیت، شہادت۔امی جان کہتی ہیں ان الفاظ کی مداخلت بہت ہے عام طور پر عوام الناس کی زندگی میں۔اب رضا بھائی کو ہی دیکھ لیجیے۔ ہر وقت جد و جہد میں لگے رہتے ہیں کہ کب کسی کے کام آجائیں۔عہدِ ملازمت کبھی کسی غریب کو آنکھ بھر دیکھا بھی نہ ہوگا۔تا عمر اپنے اہل وعیال کو حرام کی کمائی کھلائی۔آج بڑے صادق الاعتقاد بنتے ہیں اور کیوں نہ بنے جب ان کے بلوغت کا زمانہ تھا کیا قہر ڈھائے تھے انہوں نے۔خدا رحم کرے ان بچیوں پر جن بچیوں کی عصمت دری انہوں نے کی تھی۔انہوں نے بھی اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا تھا اور کر بھی رہے ہیں

کبیر مرزا کی بیٹی سے متوقع کرتے ہیں کہ وہ ان کی موت کے بعد مغفرت کی دعا کرے۔مرزا اور مرزا کی بیٹی اول درجہ کے اصول پسند ہیں۔ جان جائے پر وچن نہ جائے۔راشدہ آپا بھی عیاری میں عروج پر ہیں۔خدا قسم کبھی انہیں ٹھیک سے کسی نے نہ دیکھا ہوگا گھنٹہ دو گھنٹہ پڑھتے ہوئے۔جب دیکھو تب رامائن کے ساتھ چہل قدمی کرتی رہتی ہیں جو نمبر ون کا نکھٹو ہے۔ ہر بار ایم۔اے۔کے امتحان میں فیل ہو جاتی ہیں اور اپنی آوارگی کو اللہ کی مصلحت پے ڈال دیتی ہیں۔

اور ثنایا کو تو ہر بات میں ہی مشابہت نظر آتی ہے۔دراصل اس کا تحقیقی کام تانیثیت پہ ہے۔اس لئے اسے ہر تحریر میں ہی مشابہت نظر آتی ہے۔ ہر اچھے اسلوب کو اپنے اسلوب سے مشابہت دیتی ہے تو وہیں ارمان ہر وقت اذیت میں مبتلا ہوتا ہے۔ ہر کسی سے ہی اس کو گلہ ہوتا ہے اور ہر راہ چلتے انسان اور چرند پرند سے محبت کا مشتاق اور محبت نہ ملنے پر اذیت کا شکار۔

اور رمشا بیگم تو ساری حدیں ہی پار کر دیتی ہیں۔ ہر وہ گناہ کرتی ہیں جس سے ایک مشرقی لڑکی عام طور پر درکنار ہوتی ہے اور کوئی کچھ کہے تو اللہ میرا گواہ ہے یہ کہہ کر سب کا منہ بند کروا دیتی ہیں۔عیاری

،مکاری میں تو مہارت رکھتی ہی ہیں حسد اور بغض بھی ان کا عروج پر ہے۔کبھی کسی اپنے سے بہتر انسان کا وجود اپنی ذاتی زندگی میں یا اپنے اردگرد قطعی برداشت نہیں کیا۔ہر وقت احساس کمتری میں مبتلا ہوتی ہیں۔

کونین یہ وہی رمشا ہیں جو نالے کے کنارے والے بلڈنگ میں آخری فلور پہ رہتی ہیں۔

دیکھا تو ہے تم نے ان کو۔

ہاں دیکھا ہے انہیں۔نا ہی کمسن ہیں اور نا ہی جوان بلکہ جوانی اور بڑھاپے کے مرحلے کے درمیان میں ہیں ۔لیکن ان کی کبھی میں نے زلفیں نہیں دیکھیں کیونکہ ہمیشہ وہ باحجاب ہوتی ہیں۔ہاں چہرہ ضرور دیکھا ہے ۔رنگ زرد،آنکھیں چھوٹی،ناک لمبی اور بھدی ہونٹ۔ایک دم گھنونی کہ کوئی دیکھنے سے بھی در کنار ہو اور پست قد اور چلنے کا انداز مجرے والیوں جیسا اور بولنے میں ناک کا استعمال کرنا۔بسم اللہ جان جیسے رویے اختیار کرنا،خورشید جان جیسے ہر عاشق پہ کچھ لمحوں کے لئے مرمٹنا اور وفاداری سے گریز کرنا۔اور ہمیشہ حجاب ،ابایے میں رہنا،ان کے فطرت میں تھا۔مشرقی خاتون بنے رہنا۔ظاہری طور پہ وہ مشرقی تہذیب کی ترجمان ہیں لیکن باطنی طور پہ وہ مغربی زندگی بسر کرتی ہیں۔صادیہ بیگم رمشا بیگم کی اچھی دوستوں میں سے ایک ہیں لیکن رمشا بیگم سے بہت مختلف۔وہ حجاب نہیں لگاتی،وہ ابایا نہیں پہنتی،وہ جائز ناجائز،حرام،حلال کی بات نہیں کرتیں۔وہ جیسی ہیں وہ ویسی دکھتی ہیں۔

صادیہ بیگم کا خیال ہے کہ گر لباس شرافت کی چادر ہوتی تو وہ رات کے اندھیرے میں دھندے کرنے والی عورتیں بھی شرفاء میں شمار کی جاتیں کیونکہ لباس تو وہ بھی پہنتی ہیں۔

خیر چھوڑو کونین ان سب باتوں کو رمشا بیگم کی روداد اور کارنامے سنو۔

محترمہ تعلق وہاں سے رکھتی ہیں جہاں سے ہمارے اردو ادب کی مشہور ناول ''امراؤ جان ادا'' کی مرکزی کردار امیرن جیسا کہ کونین تم نے پڑھا ہوگا،امیرن امراؤ جان ادا بن کر لکھنو میں شہرت پاتی ہیں۔بالکل اسی طرح رمشا بیگم بھی لکھنو میں مکمل طور رہائش کرتی ہیں۔لیکن ان کے تعلیم کی ذوق انہیں دیگر دیگر شہروں میں لے کر جاتی ہے اور تعلیم کی آڑ میں خوب عیاشیاں کرتی ہیں۔کبھی اکبرالہٰ آبادی کے شہر میں قیام کرتی ہیں تو کبھی ولی دکنی کے یہاں تو آج باضابطہ طور پر دبستانِ دہلی میں مقیم ہیں۔

ہیں تو وہ تحقیق نگار لیکن کبھی کبھی دہلی کے چھوٹے موٹے مشاعروں کی زینت بن جاتی ہیں ۔غزلیں اور نظمیں اچھی کہہ لیتی ہیں۔چھوٹی چھوٹی بحروں کا انتخاب کرتی ہیں تو وہیں بغور ان کی

شاعری کو سنیے تو یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ وہ شاعری آمد نہیں آورد کرتی ہیں۔

اس کا اچھا مطالعہ کیا ہے اسلم بھائی آپ نے۔

ارے فرحان بھائی آپ کب آئے؟

اسی وقت جب آپ رمشا بیگم کی روداد سنانے میں مصروف تھے۔

او ہو تو آپ نے ہماری ساری باتیں سن لیں۔ خیر چھوڑیں ان سب باتوں کو۔ آپ کیا لیں گے چائے یا کافی؟

جو آپ دلا دیں۔ ارے اسلم بھائی وہ رمشا جا رہی ہے کسی کے ساتھ۔

ہاں رمشا ہی جا رہی ہے اپنے معشوق کے ساتھ۔

اسی دوست کے ذریعہ تو مجھے رمشا بیگم ملیں تھیں۔ پہلی دفعہ جب مجھے ملی تھیں کافی خوش اخلاق معلوم ہوئیں تھیں۔ اس بات کا اظہار میں نے اپنے دوست احمر سے کیا تو اس نے تفریحاً مجھے ندا فاضلی کا ایک بہت ہی معنی خیز شعر سنایا۔

ہر آدمی میں ہوتے ہیں دس بیس آدمی
جس کو بھی دیکھنا ہوکئی بار دیکھنا

بارہا جب میری رمشا بیگم سے ملاقات ہوتی رہی تو مجھے وقتاً فوقتاً ان کے مختلف چہرے نظر آئے اور احمر کے اخلاق میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں۔ میں بہت کشمکش میں پڑ گیا اور احمد فرازؔ کا وہ شعر یاد آیا۔

تم تکلف کو بھی اخلاص سمجھتے ہو فرازؔ
دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا

کہتے ہیں تم دوسروں کے ساتھ مکر کرو گے تو اللہ تمہارے ساتھ مکر کرے گا بالکل یہی حال رمشا بیگم کا تھا۔ وہ اپنے محبوب کے ساتھ منافقت کر رہی تھی اور ان کا محبوب ان کے ساتھ۔ رمشا بیگم نے اگر گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا وہیں احمر بھی ان سے چار قدم آگے تھا۔

ان دونوں عاشق و معشوق کا مکر فن دیکھ میں حیرت زدہ ہوتا اور ذبیحؔ کا وہ مصرعہ یاد کرتا۔

ان کو مکر فن سیاہ جگر وراثت میں ملا ہے

رمشا بیگم کے دوسرے دوست جو آج کل ان کی فراق میں ہیں اور رمشا بیگم کے ساتھ بیٹھنا

اپنے لئے باعث اعجاز سمجھتے ہیں اوران کی باتوں میں آکر میرے روشن خیال ہونے پہ انگلی اٹھاتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ روشن خیال ہونا اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ تم میرے بستر کی زینت بنو اور میں تمہارے بستر کی زینت بنتا ہوں تو ہاں میں روشن خیال نہیں ہوں۔

اس کے علاوہ احمر اور رمشا بیگم کے دوست میری مردانگی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ان لوگوں کی مردانگی سے مراد یہ ہے کہ محبوبہ کے ساتھ جنسی تعلقات بناؤ اور احباب کے بیچ اسے لذت لے لے کر بیان کرو جیسے ہمارے عمیر بھائی کرتے ہیں۔

جانتے ہو کونین، فرحان یہ عمیر بھائی کون ہیں؟

یہ وہی عمیر بھائی ہیں جن کے کبھی رمشا بیگم سے الہٰ آباد میں اچھے مراسم ہوا کرتے تھے۔

اوہ یہ بات ہے۔

عمیر بھائی کا ایک واقعہ سنو۔

کہتے ہیں کہ میں اس رات کو آج تک نہیں بھول پایا جب میں پہلی دفعہ کیرتی کے گھر گیا تھا۔چاندنی رات تھی۔ستارے آسمانوں میں گنجلک ہو گئے تھے۔کڑاکے کی سردی تھی، میں کیرتی کے کے گھر جب پہنچا تو اس کے گھر میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔بجلی کے آنے کے کوئی امکان نظر نہ آرہے تھے۔چاند ہمیں کھڑکی کے ذریعہ دھندلی سی روشنی دے رہا تھا۔کیرتی نے سفید رنگ کا چست لباس پہنا تھا۔جس کے باعث اس کا پورا بدن ہی نظر آرہا تھا۔اس کی موٹی موٹی کلائیاں، اس کی لمبی چوڑی کمر، یہاں تک کہ اس کے بوبس بھی ناریل کے شیپ میں نظر آرہے تھے۔ہونٹوں کو اس نے ایک دم گلابی کر رکھا تھا۔اپنی زلفوں کو بھی بکھرا رکھا تھا۔اپنے بغل کی بدبو کو خوشبو میں چھپا رکھا تھا۔مجھے دیکھتے ہی آغوش میں آکر لپٹ گئی۔ہم دونوں اپنے ہونٹوں کو ہونٹوں سے ملانے لگے۔اپنے پیار کو نایاب بتانے لگے اور اپنے کپڑوں کو بھی ایک ایک کر کے اتارنے لگے۔

کیرتی پوری رات میرے آغوش میں پڑی رہی۔میرے بدن کے ایک ایک حصے سے کھیلتی رہی اور میری مردانگی پہ عش عش کرتی رہی۔اور پوری رات آہیں بھر بھر جنت کا سیر کرتی رہی۔

اس جنسیاتی بیانیہ کو اگر مردانگی کہتے ہیں تو ہاں میں مرد نہیں ہوں۔

جیسی رمشا بیگم ویسے ان کے معاصرین۔ایک سے ایک ان کے کارنامے ہیں۔خود تو خانہ

خراب عورت ہیں اور نہ جانے ابھی کتنوں کو برباد کریں گی۔احمر کو نہ جانے کون سا داستان غم سنایا کہ احمر رمشا بیگم کا حامی ہی ہو گیا۔

سنا ہے اس کے اپنے کچھ خواب تھے۔اعلیٰ افسر بننا چاہتا تھا۔اعلیٰ افسر بننا تو دور رمشا بیگم نے میدان سے ہی باہر کروا دیا۔پچھلے سال احمر اپنے وطن کو لوٹ گیا، رمشا بیگم سے بیزار ہو کر۔رمشا بیگم دہلی کے مشاعروں میں ماری ماری پھرتی ہیں اور اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہیں۔فرحان بھائی! پریم چند کا وہ آپ نے افسانہ پڑھا ہے''پدما''؟ پدما کی مرکزی کردار مس پدما کو رمشا بیگم سے گر مشابہت دی جائے تو بجا ہوگا۔آج رمشا بیگم نفسیاتی مریضہ ہیں اور امراؤ جان ادا کا وہ شعر گنگناتی رہتی ہیں۔

کس کو سنائیں حال دل زار اے اداؔ
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

☆☆☆